غلام گردش

## سفارتی معاملات حد درجہ نازک ہوتے ہیں!

کہاں سے لائیں وہ رہنما' جو فیصلہ سازی کی اصل روح سے منور ہوں۔ مشکل ترین حالات میں بھی گرد کو چیر کر دیکھنے والی نگاہ۔ انا کو فنا کر کے صرف اور صرف' اس بدقسمت قوم کے مفاد میں فیصلے کرنے والے قد آور لوگ۔ کہاں سے لائیں۔

ٹھیک پندرہ برس پہلے نیپالا ہور میں زیر تربیت تھا۔ کورس کے آخر میں ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کا لیکچر تھا۔ قائداعظم کا پہلا اے ڈی سی' ضعیف اور پرانا افسر۔ آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔ میرا دفتر' گورنر جنرل ہاؤس میں قائد کی خواب گاہ کے عین نیچے تھا۔ جس دن قائد کو کوئی مشکل فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔ تو پوری رات ہاتھ میں سگریٹ لئے چلتے چلتے گزر جاتی تھی۔ نرم و نازک جوتوں کی ٹک ٹک کی آواز' دفتر میں گونجتی رہتی تھی۔ اے ڈی سی کی سرکاری ڈیوٹی تو کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ مگر بصد احترام' رات بھر اپنے دفتر میں بیٹھا رہتا تھا۔ پوری رات کی گہری سوچ کے بعد قائد جو فیصلہ فرماتے تھے' اس میں قوم کی تعمیر کا عنصر ہوتا تھا۔ صرف اور صرف تعمیر۔ لیکچر کے دوران بریگیڈیئر صاحب بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ اور ہم سب کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ قائد کے ساتھ کام کرنا ایک عظیم اعزاز سے کم نہیں۔ اور ہاں' کسی بھی جگہ قائد اپنا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بیرونی سفیر جب سفارتی اسناد پیش کرنے آتے۔ تو اس کمزور سے گورنر جنرل کی شخصیت سے اتنے مرعوب ہو جاتے کہ کئی بار تو کاغذات تھماتے ہوئے آدھے جھک جاتے۔ پاکستان میں امریکہ کے پہلے سفیر کی تصویر آج بھی سند ہے۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ ایک تاریخ ساز سیاست دان کے سامنے موجود ہیں۔ بیرونی معاملات پر قائد انتہائی نپی تلی رائے دیتے تھے۔ حد درجہ محتاط الفاظ۔

قائداعظم کے بعد جس سیاست دان نے سب سے زیادہ ملکی مصائب دیکھے۔ وہ ذوالفقار علی بھٹو تھا۔ ان کی شخصیت سے اختلاف رکھنے والے بھی گردانتے تھے کہ یہ شخص سفارت کاری کا جادوگر تھا۔ خون میں ڈوبا ہوا ملک' نوے ہزار پاکستانی' ہندستان کی دسترس میں تھے۔ معیشت نہ ہونے کے برابر' اور بنگلہ دیش کی سنجیدہ دھمکی کہ وہ پاکستانی فوجی افسروں پر جنگی جرائم کے تحت مقدمہ چلائے گا۔ بھٹو کے ہاتھ میں کیا تھا کچھ بھی نہیں۔ اور ہاں یاد رہے۔ مغربی پاکستان کا وسیع علاقہ پر بھی ہندوستان قبضہ کر چکا تھا۔ اتنے مشکل ماحول میں بھٹو' شملہ گئے تھے۔ مذاکرات تو ناکام ہو چکے تھے۔ واپسی کا زادراہ بندھ چکا تھا۔ پھر ذہین وزیراعظم بھٹو کی اندرا گاندھی کے ساتھ یادگار واک۔ چند لمحوں میں سب کچھ بدل گیا۔ مذاکرات کامیاب ہوئے۔ ہمارا وفد جو بالکل خالی ہاتھ گیا تھا' صرف اور صرف بھٹو کی طلسماتی سفارت کاری سے ہر سہولت لینے میں کامیاب ہو گیا۔ فوجی واپس آ گئے۔ جنگی جرائم کے تحت مقدمات کی بات بھی ختم ہو گئی۔ مغربی پاکستان کے مفتوح علاقوں سے بھی ہندوستان واپس چلا گیا۔ سوچیے وجہ کیا تھی۔ صرف پاکستانی وزیراعظم بھٹو کی انتہائی ذہین کارگردگی۔ لاکھ اختلاف کریں۔ مگر بھٹو کے بعد اس سطح کا لیڈر ہمارے سیاسی مقدر میں نہیں آیا۔ اب تو تلچھٹ ہے جس پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ بدتمیزی کو سیاسی شعار بنانے والے وہ بونے جو اپنے آپ کو لیڈر سمجھتے ہیں۔ پر

مجبوری ہے۔قافلے میں بے بصیرت لوگ ہی رہ گئے ہیں۔

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں (اقبال)

گارگل کی جنگ جاری تھی۔وزیراعظم شاید چین کے دورے پر تھے۔سیکرٹری خارجہ جنگ کی ہولناکی کی پل پل کی خبر دے رہے تھے۔نواز شریف کو مشورہ دیا کہ جناب' فوری طور پر دورہ ختم کر کے واپس چلیے۔ملک میں جنگ کا الاؤ جل رہا ہے۔جواب تھا۔ درست۔مگر راستے میں ہانگ کانگ یا اسنگاپور ایک دو دن کے لئے رکنا ہے کیونکہ خواتین نے شاپنگ کرنی ہے۔سیکرٹری خارجہ نے گزارش کی کہ سر حالات نازک ہیں۔جلد پہنچنا چاہیے۔بات آداب شاہی کے خلاف ٹھہری۔عین کارگل کی آتش میں جب ہمارے سپاہی اور مجاہد شہید ہو رہے تھے۔وزیراعظم اور ان کا وفد' شاپنگ کے لئے ڈیڑھ دن کے لئے رکا۔بیگمات نے شاپنگ کی۔جب موصوف واپس پہنچے تو فرمادیا کہ انہیں تو جنگ کے متعلق پوچھا تک نہیں گیا۔آگ پر مزید تیل چھڑک ڈالا۔خود فیصلہ فرمائیے۔کیا یہ ایک وزیراعظم کے الفاظ اور پالیسی بیان یہی ہونا چاہیے۔محترم نواز شریف اور سابقہ سیکرٹری خارجہ دونوں ماشاءاللہ حیات ہیں۔ان سے اس واقعہ کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

سفارت کاری کے انتہائی پیچیدہ میدان میں پرویز مشرف بھی غلطی پر غلطی کرتے رہے۔قومی مفاد اپنی ناجائز خواہشات پر تیاگ دیا۔افغانستان کے متعلق اتنے غیر دانشمندانہ فیصلے کیے کہ جنگ ہمارے ملک میں آ گئی۔اور آج تک جاری ہے۔پرویز مشرف نے امریکہ سے بات چیت کی ابتداء ہی میں مکمل ذہنی شکست قبول کر لی۔کچھ تالیاں بجیں۔درباریوں نے سرکاری پیسوں سے بکرے ذبح کئے۔مگر تھوڑے عرصے میں طالبان نے ہمارے ملک کو بارود کا ڈھیر بنا دیا۔آج ہم جس جنگی تندور کا ایندھن بنے ہوئے ہیں۔موصوف نے ہی لکڑی اور تیل فراہم کیا ہے۔مقصد کسی بھی سیاسی یا غیر سیاسی لیڈر پر تنقید نہیں۔عرض صرف اتنی ہے کہ ہمارے لیڈروں کی اکثریت اپنی ناک کے آگے دیکھنے کی اسطاعت نہیں رکھتی۔کتاب اور علم سے ان کی ذاتی دشمنی ہے۔یہ سرکاری طبلچیوں کی واہ واہ پر واقعی یقین کر لیتے ہیں۔ان حالات میں دنیا کے اہم ممالک سے تعلقات کے خدوخال کیسے واضح ہونگے۔ ہماری کونسی پالیسی ہوگی کہ ہر طریقے سے سفارتی توازن قائم رہے۔طالب علم کو دور دور تک اس طرح کا کوئی وصف نظر نہیں آتا۔

چند دن پہلے جناب محترم عمران خان نے ایک امریکی چینل پر انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ہم امریکہ کو کسی صورت میں فوجی اڈے نہیں دینگے۔ہر طرف مبارک باد کے ڈونگرے بجنے لگے کہ دیکھو آج پاکستان اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔خارجہ پالیسی اب بھرپور طریقے سے آزاد ہے۔مگر کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ جناب امریکہ آج بھی دنیا کی واحد سوپر پاور ہے۔وہ پہلے ہی ہم سے حد درجہ ناراض ہیں۔ان کے صدر جو بائڈن نے آج تک ہمارے وزیراعظم سے بات کرنی مناسب نہیں سمجھی۔وزیراعظم نے اپنے قطعی بیان سے مکمل طور پر امریکہ کو مزید دشمنی کی طرف دھکیل دیا۔کیا یہ مناسب نہیں تھا۔کہ عمران خان فرماتے کہ ہم فوجی اڈے

دینے یا نہ دینے کا فیصلہ اپنے قومی مفادات کو سامنے رکھ کر کریں گے۔ مگر انہوں نے روایتی لا ابالی پن سے کام لیا۔ آپ لاکھ بار اڈے نہ دیں۔ مگر سفارت کاری کے نازک اصولوں کے مطابق بات کرنے کا قرینہ تو صائب رکھیں۔ اور تو اور شاہ کے مصاحب تو یہاں تک فرمانے لگے کہ اگر جو بائڈن، پاکستانی وزیر اعظم کو فون نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں ہمارے پاس بھی فون سننے کا وقت نہیں۔ یہ ہے۔ ذاتی نا کے تحت حد درجہ غیر دانشمندانہ رویہ۔ اس سے عوام تو شائد خوش ہو جائیں مگر طاقتور حلقے جانتے ہیں کہ پاکستان ایک بڑے حادثے کے مزید قریب ہو چکا ہے؟ ریاستوں کے تعلقات میں سنجیدگی اور پردہ داری کے بغیر صرف جذبات رہ جائیں تو سمجھ جائیے کہ مشکلات کم نہیں بلکہ بڑھ رہی ہیں!